دپود کو مجتمع کیا قرآنی سورتوں کے مضامین کا تجزیہ کر کے آیات کو پیراگراف کی شکل دی، ہر سورۃ کا عمود یعنی مرکزی مضمون اور مرکزی مباحث متعین کئے تفسیر تدبر قرآن کا یہ ابتدائی اور انتہائی اہم کام تھا جو جیل کی تنہائیوں میں مکمل ہوا رہائی کے بعد آپ نے اسی بنیاد پر اپنی تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

بعض علماء نے اس تفسیر پر محاکمہ کیا ہے اور اسے تفسیر بالرائے قرار دیا ہے۔ کسی کی رائے پر پہرہ بٹھانا کسی کے بس کی بات نہیں اور یوں بھی رائے کی آزادی کا حق قرآن اور صاحب قرآن نے خود عطا کر رکھا ہے اہل الرائے کچھ بھی رائے قائم کریں لیکن اس بات میں اختلاف کی گنجائش ہے نہ انکار کی کہ تفسیر تدبر قرآن اردو تفاسیر میں ایک گراں بہا اضافہ ہے جس نے جدید ذہن کو اسلام سمجھنے اور اسلام سے قریب کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔

مولانا نے تفسیر تدبر قرآن تیئس برس میں مکمل کی۔ عجب اتفاق ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کا زمانہ بھی تیئس برس ہی ہے۔ تدبر قرآن کی تکمیل سے مولانا ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو فارغ ہوئے۔ جب کہ قرآن حکیم کے نزول کا آغاز بھی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوا۔ قرآن حکیم اور تدبر قرآن کے آغاز اور انتہا نیز دورانیہ کی یہ زمانی مماثلت اس تفسیر کی قبولیت پر کافی دلیل ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم اسی تفسیر کی تکمیل کے لئے جی رہے تھے کیونکہ اس کی تکمیل کے بعد پھر آپ میں لکھنے پڑھنے حتی کہ بولنے چلنے پھرنے کی بھی صلاحیت باقی نہ رہی۔ خود فرماتے ہیں۔

"ایک بھاری بوجھ جو تیئس سال اٹھائے لئے پھرا اس سے سبکدوش ہونے پر ایک گہری مسرت کا احساس تو اک فطری چیز ہے لیکن ساتھ ہی یہ احساس بھی ہے کہ اب کیا کام کرنے کی صلاحیت باقی رہ گئی ہے جس کے لئے جینے میں لذتیں ہو۔ میں نے آخری سطریں لکھ کر اپنا سر اپنے رب کے آگے ڈال دیا"

۶۰ کی دہائی میں پاکستان کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ تھے انھوں نے اپنی پہلی

بیوی کی موجودگی میں ایک عرب نژاد خاتون سے شادی کرلی۔ اس پر ملک میں ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ سیاسی گھات نشینوں کو موقع ہاتھ لگا۔ انھوں نے حقوق نسواں کا خوش کن نعرہ بلند کیا۔ آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (اپوا) نے پورا تعاون کیا۔ خوب میدان لگا حکومت نے عائلی کمیشن بٹھایا۔ اس میں علماء کے طبقہ کے نمائندہ صرف ایک مولانا احتشام الحق تھانوی تھے۔ انھوں نے کمیشن کی سفارشات پر بھرپور اختلافی نوٹ لکھا۔ اس لئے سفارشات کا مسودہ اختلافی ہوگیا۔ دینی ذہن رکھنے والے ایک طرف، جدید ذہن کے حاملین دوسری طرف ہوگئے۔ جدید ذہن کی ترجمانی چودھری غلام احمد پرویز کررہے تھے۔ اور حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے میں سب سے آگے تھے۔ مولانا اصلاحی نے اس سلسلہ میں قلمی جہاد کیا۔ اس حوالے سے ”عائلی قوانین کی رپورٹ پر تبصرہ“ نامی کتاب لکھی اس موضوع پر یہ پہلی کتاب منصۂ شہود پر آئی مقررین واعظین کے لئے یہی کتاب معلومات کا واحد ذریعہ تھی جس پر وہ اپنی علمیت کی بساط بچھاتے رہے۔

مولانا نے اس کتاب میں عائلی کمیشن کی تشکیل کی نوعیت، کمیشن کے ارکان کے اوصاف، کمیشن کے حدود کار، اصول اجتہاد، اجتہاد کی تعریف، استحسان، حالات کا تقاضا، فقہ کی اہمیت جیسے عنوانات پر الگ الگ مفصل بحث کی اور دلائل کے ذریعہ کمیشن کی سفارشات کو غیر اسلامی اور نامعقول قرار دیا۔ نیز ارکان کمیشن کے علمی مقام کو زیر بحث لاتے ہوئے کہا کہ ان تمام ارکان میں سے ماسوائے ایک رکن کے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو پوری طرح اسلامی تعلیمات اور فقہی امور سے آگاہی رکھتا ہو آگاہی تو درکنار بیشتر ارکان تو ناظرہ قرآن پڑھنا بھی نہیں جانتے۔ لہذا ایسے افراد سے عائلی مسائل کی تدوین کا کام لینا قطعی طور پر نامناسب ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ :

”ان سفارشات کی منظوری کے بعد پاکستان میں جو قوم بستی ہے اس کے عائلی اور معاشرتی نظام ہی کی نہیں بلکہ پورے نظام زندگی کی چولیں ہل جائیں گی۔

دین بیزار قوتوں کے لئے مولانا کا یہ جملہ مسکت وار ثابت ہوا اور عائلی کمیشن کی سفارشات سرد خانہ میں چلی گئیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا زمانہ تقریباً ایک صدی پر محیط ہے وہ اپنی ذات میں پوری تاریخ تھے۔ نہ صرف تاریخ بلکہ تاریخ کے دھارے کو نیا رخ دینے والی مرکزی شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا اصلاحی آج ہمارے درمیان موجود نہیں تاہم ان کے افکار، ان کے نظریات ان کے خیالات، ان کی سوچ، ان کا ذہن، ان کا دل ودماغ سب میثاق، الاصلاح، ماہنامہ تدبر، تفسیر تدبر قرآن، تزکیہ نفس، مبادی تدبر قرآن، مبادی تدبر حدیث، حقیقت شرک وتوحید، حقیقت نماز، حقیقت تقوی، دعوت دین اور اس کا طریق کار، اسلامی قانون کی تدوین، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، قرآن میں پردے کے احکام اور اسی قبیل کی دیگر تحریروں میں بکھرے پڑے ہیں جو مولانا کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور مستقبل میں بھی زندہ رکھیں گے۔ آپ کی تحریروں سے موتی تلاش کرنا لعل وگہر نکالنا اور ان سے زندگی کی تاریکیوں کو اجالنا ان کے محبین ومتبعین کا کام ہے ان کے ساتھ عقیدت ومحبت اسی بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اور یہی ان کے لئے خراج عقیدت ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا اصلاحی کے دروس

سجاد الٰہی

مولانا امین اصلاحی کی وفات حسرت آیات سے، جو امین بھی تھے اور اصلاحی بھی(ا)، اسلامی علمی اور فکری دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا دور حاضر میں پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ مولانا گونا گوں خصوصیات اور مختلف الجہات صلاحیتوں کے مالک تھے اور بلاشبہ ان کی رحلت ایک عظیم حادثہ ہے جس کے اثرات تادیر محسوس کئے جاتے رہیں گے۔ علمی تبحر، فکری رصانت اور شخصی وجاہت کے ساتھ ساتھ آپ کو فن خطابت میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ عالمی شہرت وعظمت کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہوئے بھی شرافت نفس، تواضع اور منکسر المزاجی کا مجسمہ تھے۔ وقار، متانت، مروت اور پاسداری آپ کا نشان امتیاز تھا۔ تحقیق اور تصنیف کا نہایت اعلیٰ ذوق ودیعت ہوا تھا چنانچہ ایک وقیع علمی، فکری اور تحقیقی ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ آپ کی بعض تصانیف اپنے موضوع کی اہمیت، فکر کی گہرائی اور اسلوب نگارش کی رعنائی کے باعث اسلامی لٹریچر میں اپنا خاص مقام رکھتی ہیں۔ عالم اسلام کتاب اللہ کے اس خادم کی ضیابخشیوں سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر فتوح کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

مجھے بحمد اللہ مولانا کے دروس میں اس وقت سے حاضری کی سعادت حاصل رہی جب وہ سمن آباد میں درس دیتے تھے۔ یہ سلسلہ ڈیفنس کالونی میں ان کے آخری دروس تک قائم رہا۔ قوت بیانیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال عطا فرمایا تھا۔ زیر بحث مسائل پر اتنے دل پذیر اور موثر انداز میں روشنی ڈالتے تھے کہ سامعین پر ایک تاثراتی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کے دروس میں قدیم وجدید نظامہائے تعلیم کے فضلاء

شریک ہوتے تھے اور یکساں طور پر متاثر اور فیض یاب ہوتے تھے۔ لیکن یہ صرف زور خطابت اور قوت بیانیہ کا سحر نہیں تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کو قرآن، حدیث اور فقہ سے متعلق علوم و مسائل کا غیر معمولی استحضار تھا۔ دوران درس اٹھائے جانے والے سوالات کے جواب ہمیشہ زبانی دیتے اور محسوس ایسا ہوتا کہ جیسے متعلقہ کتابیں ان کے سامنے کھلی ہوئی ہیں اور وہ ان کو دیکھ کر جواب دے رہے ہیں۔ مولانا کی بالغ نظری اور اصابت فکر ورای درس قرآن و حدیث دونوں میں یکساں طور پر جلوہ گر نظر آتی تھی اور یہ صورت آخر تک قائم رہی۔ بخاری شریف کے آخری درس تک مختلف شروح کا حوالہ دیتے رہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر کی اس منزل میں بھی ان کا ذوق تحقیق و مطالعہ کمزور نہیں ہوا تھا۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ فرماتے تو سامعین کو وقت کا اندازہ نہ ہوتا۔ ملت کی بے راہ روی سے بہت ملولی خاطر رہتے۔ لاہور اور اس کے اطراف واکناف میں رہنے والوں کے لئے آپ کے دروس علوم و معارف کے ایک چشمہ آبِ زلال کی حیثیت رکھتے تھے جس سے تشگان علوم نبوت سیری حاصل کرتے تھے۔ افسوس یہ چشمہ علم و فضل باقی نہ رہا۔

مولانا کے دروس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ لمبی چوڑی تقریر کے بجائے حل مشکلات پر زور دیتے تھے اور دقیق ترین مسائل کو بھی نہایت آسان پیرائے میں سمجھا دیتے تھے۔ دوران درس موقع و محل کی مناسبت سے بعض چٹکلے بھی بیان کر دیا کرتے تھے جس سے سامعین کی دلچسپی برقرار رہتی تھی۔ میرا ذہن مسئلہ جبر و قدر کے سلسلہ میں بہت الجھا ہوا تھا۔ مولانا نے ایک چھوٹی سی مثال کے ذریعہ اس سلسلہ کے جملہ شکوک کا ازالہ کر دیا۔ فرمایا "اگر امین احسن اصلاحی کسی شخص کو کوئی امانت دے اور ساتھ ہی یہ اختیار بھی دیدے کہ چاہے تو امانت کا حق ادا کرے اور چاہے تو امانت میں خیانت کرے مگر امین احسن کا علم اتنا کامل ہو کہ اسے پہلے سے معلوم ہو کہ یہ اپنا اختیار کیسے استعمال کرے گا تو کیا اس بات کے امین احسن کے علم میں ہونے کی وجہ سے وہ اس تفویض کردہ اختیار کی جواب دہی سے بری ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں بدی اور نیکی کرنے کی وجہ جو سراسر انسان کا ذاتی فعل ہے، پہلے سے لکھی ہوئی ہے تو انسان مسئول

تو اپنے اختیار کی وجہ سے ٹھہرے گا"۔

مولانا کے دروس حق گوئی کا بہترین نمونہ ہوتے تھے۔ قرآن و حدیث کی شرح کرتے وقت وہ اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے کہ اس کی زد کہاں پڑ رہی ہے اور وہ کتنے بڑے آدمی کی رائے کو ٹھکرا رہے ہیں۔ قرآن و سنت کے مطابق جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اسے برملا اور دوٹوک انداز میں بیان کر دیتے تھے۔ تدبر قرآن میں انہوں نے خود اپنے استاد گرامی کی آراء سے کتنی ہی جگہوں پر اختلاف کیا ہے اور اپنے دلائل کو پوری صراحت سے بیان کیا ہے مزاج کی شگفتگی مولانا کے دروس کی ایک بڑی خصوصیت تھی جو آخر تک قائم رہی۔ آخر عمر کے دروس کو بھی انہوں نے اپنی نکتہ سنجیوں سے باغ و بہار بنائے رکھا۔ ان کی نکتہ رسی اور مزاج کی شگفتگی بارہا اس خالص علمی مجلس کو بھی زعفران زار بنا دیتی تھی۔

شرکاء درس کے لئے یہ اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں تھا کہ مولانا کے مطالعہ میں نئی قابل ذکر کتابیں مسلسل رہتی تھیں۔ اور ان کے سلسلہ میں خذما صفا ودع ماکدر کے اصول پر عمل کرتے تھے۔ مولانا کے بارے میں 'نقیب ختم نبوت' کا یہ تبصرہ مبنی بر حقیقت ہے کہ "مولانا کی شخصیت کا یہ پہلو تابناک ہے کہ وہ علمی مباحث میں بے جا اصرار کے بجائے اپنی رائے جہاں ضروری ہو تا برملا تبدیل فرما لیتے تھے۔ پروفیسر سلیم چشتی، علامہ محمود احمد عباسی، قاری حبیب الرحمان کاندھلوی اور حکیم محمود احمد ظفر کی تحقیقی کتب پر ان کی آراء اس کا ثبوت ہیں (۲) اسی طرح جب ان کو حکیم نیاز احمد صاحب کی کتب س 'تحقیق عمر عائشہؓ' اور 'روایت افک' مطالعہ کے لئے دی گئی تو ان کی تحسین فرمائی۔ حدیث شریف سے مولانا کا تعلق محض رسمی نہ تھا بلکہ وہ ان کی علمی تحقیقات اور بحث و نظر کا ایک اہم موضوع، ان کی گفتگو کا محور اور ان کی سیرت و کردار کا مدار بن گئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ سیرت و سنت سے شغف ان کے علم و عمل اور عادت و عبادت سب میں روح بن کر رواں دواں تھی۔ چنانچہ ان کی شخصیت میں اتباع سنت اور ذات نبوی علی صاحبہا السلام والتحیہ سے زندہ و تابندہ تعلق خاطر کی ایک دلکش تصویر نظر آتی تھی۔

مولانا اپنے دروس کے لئے پوری طرح تیاری کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں پورا ہفتہ گھنٹوں پورے نشاط اور انہماک سے درس کی تیاری کرتا ہوں۔ متعدد خصوصیات کی وجہ سے ان کے درس کی ایک امتیازی شان تھی۔ وہ جس طرح خالص علمی اور موضوعی انداز میں ائمہ اربعہ کے مسلک کو بیان کرتے تھے وہ ان کے ساتھ خاص تھا۔ اسی طرح تحقیق لغات ان کے درس کا امتیازی نشان بن گیا تھا۔ مولانا کے دروس میں مسلسل شرکت کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کو علوم دینیہ، حدیث، فقہ، تفسیر، عقائد وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ساتھ ہی انہیں علوم آلیہ مثلاً صرف و نحو، ادب وبلاغت، سیر و تاریخ اور منطق و فلسفہ وغیرہ میں بھی غیر معمولی درک تھا۔ درس کے دوران فطری ذہانت و ذکاوت، اخاذ طبیعت، دقیقہ شناسی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی اور معاملہ فہمی کے بے شمار مظاہرے نظر آتے تھے۔ افسوس علم و عمل کی یہ شمع فروزاں بجھ گئی اور اس نقصان کی تلافی کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی اور ذہن ودماغ میں نبی کریم ﷺ کی اس پیشین گوئی کی حقانیت روشن ہو جاتی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

انّ الله لايقبض العلم انتز اعاً ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بمقبض العلماء حتى اذالم يترك عالماً اتخذ الناس رؤساً جهالاً فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا

"اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں کے دلوں سے کھینچ لے بلکہ علم کو علماء کی موت کے ذریعہ اٹھاءگا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے سوال کئے جانے پر وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

حواشی

۱۔ آغا شورش کاشمیری نے اپنی کتاب "چہرے" میں مولانا کا سراپا بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ "امین بھی ہیں اور اصلاحی بھی۔"

۲۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت، فروری ۱۹۹۸ء

تاثرات و مشاہدات

مدرستہ الاصلاح سے فراغت کے بعد اور کچھ وقت کے لئے میدان صحافت میں قسمت آزمائی کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کی باقاعدہ علمی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب ۱۹۲۵ء میں وہ ہر طرف سے یکسو ہو کر مولانا فراہی سے استفادہ کے مقصد سے مدرستہ الاصلاح آئے۔ مولانا فراہی کی نگرانی میں قرآن مجید پر تدبر و تفکر کے رموز واسرار کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ وہ مدرسہ میں تدریسی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ تدریس و تعلیم کا یہ سلسلہ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۴ء تک کے عرصہ پر محیط ہے۔ وہ منتہی طلبہ کو ادب اور قرآن مجید پڑھاتے تھے۔ اس طرح اس دور کے بہت سے طلبہ کو ان سے تلمذ کی نسبت حاصل ہوئی۔ اب نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے بعد ان کے اس دور کے صرف چند طلبہ ہی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ مولانا کی زندگی کے اس انتہائی اہم دور کے بارے میں ان حضرات کے پاس ایسی قیمتی معلومات ہیں جن کا کسی اور ذریعہ سے حصول ممکن نہیں۔ چنانچہ مولانا کی شخصیت اور ان کے علمی و فکری مقام و مرتبہ کے متعلق ان بزرگوں کے تاثرات و مشاہدات سے واقفیت حاصل کرنے کے مقصد سے ہم نے ان کی خدمت میں ایک سوال نامہ ارسال کیا تھا۔ ہماری درخواست پر حکیم محمد مختار صاحب اصلاحی، حکیم فیاض احمد صاحب اصلاحی اور مولانا عبدالرحمٰن ناصر صاحب اصلاحی جامعی نے اپنے جوابات ارسال فرمائے۔ جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ان جوابات کی روشنی میں مولانا کی کتاب زندگی کے کئی ایسے اوراق سامنے آتے ہیں جن سے ہم پہلے اتنی وضاحت سے واقف نہیں تھے۔ آئندہ صفحات میں پہلے پورا سوالنامہ پھر جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

(ادارہ)